زندگیِ جاوید

یا

حیاتِ اُخروی

تالیف

استاد مرتضیٰ مطہری شہید

ترجمہ

حافظ سید ریاض حسین نجفی

زندگیِ جاوید

یا

حیاتِ اُخروی

مؤلف: آیت اللہ مرتضیٰ مطہری شہید

مترجم: حافظ سید ریاض حسین نجفی

نام کتاب : زندگی جاوید یا حیات اخروی

مولف : آیت اللہ شہید مرتضی مطہری

مترجم : حافظ سید ریاض حسین نجفی

نشر اول : جامعہ رضویہ ، چیچہ وطنی ، ساہیوال ، پاکستان

نشر دوم : واحد خارج کشور ، بنیاد بعثت

اشاعت از : ـ واحد کتاب بنیاد بعثت ـ تہران خیابان سمیہ
بین شہید مفتح وفرصت ـ تلفن ۸۲۱۱۵۹۰
بنیاد بعثت شعبہ بمبئی ـ صندوق پستی ۳۴۹۹ ـ

فہرست

پیش لفظ

زیر نظر کتاب مفکر اسلام شہید آیت اللہ مرتضیٰ مطہری طاب ثراہ کی فارسی زبان میں لکھی ہوئی کتاب "زندگی جاوید یا حیات آخروی" کا ترجمہ ہے۔ یہ کتاب مقدمہ جہان بینی اسلامی کی سلسلہ وار کتب میں سے آخری کتاب ہے جس میں مسئلہ معاد جو جہان بینی اسلامی کے ارکان و اصول میں سے ایک رکن اور اصل ہے، عقلی و نقلی ادلّہ کی رو سے بحث کی گئی ہے۔

سب سے پہلے مولف محترم نے مسئلہ معاد کی اہمیت کو جہان بینی اسلامی اور قرآن کی رو سے واضح کیا ہے کہ انبیاء الٰہی نے مسئلہ توحید کے بعد جس اہم ترین اصل کی طرف لوگوں کو متوجہ کیا ہے اور اس پر ایمان و اعتقاد رکھنے کی دعوت دی ہے، یہی اصل ہے جو متکلمین اسلامی کی اصطلاح میں معاد کے نام سے معروف و مشہور ہے۔ اہمیت مسئلہ معاد کی وضاحت کے بعد مندرجہ ذیل مسائل سے بحث کی ہے :-

۱۔ حقیقت و ماہیت موت۔ موت کیا ہے؟ آیا نیستی، نابودی اور فنا کا نام ہے یا تحول اور ایک جگہ سے دوسری جگہ انتقال کا نام ہے۔

۲۔ مرنے کے بعد کی زندگی۔ آیا انسان مرنے کے بعد ایک دم قیامت میں وارد ہوگا اور معاملہ صاف ہو جائے گا یا موت اور قیامت کے مابین ایک خاص عالم کو طے کرنے کے بعد قیامت کبریٰ ہوگی تو وارد عالم قیامت ہوگا۔

۳۔ دنیاوی دور حیات کا اخروی دور حیات سے کیا تعلق ہے؟

۴۔ دوسرے جہان کے بارے میں قرآن مجید نے کیا دلائل پیش کئے ہیں؟

۵۔ دونوں ادوار میں کون سے امور مشترک اور غیر مشترک ہیں؟

مولف محترم نے آیات قرآن اور احادیث و روایات پیغمبر اکرم ؐ اور آئمہ اطہار علیہم السلام کی رو سے ان تمام سوالات کے جامع اور تسلی بخش جوابات دیئے ہیں۔ اس کتاب کی اہمیت کے پیش نظر حضرت حجۃ الاسلام والمسلمین آقای حافظ سید ریاض حسین نجفی دامت برکاتہ، صدر وفاق علماء شیعہ، پاکستان نے اس کا اردو میں ترجمہ فرما کے مؤلف محترم کی علمی اور فلسفی اصطلاحات کو آسان اور عام فہم الفاظ میں اردو دان حضرات کے استفادہ کے لئے پیش کیا ہے۔

یہ کتاب پہلی مرتبہ پاکستان میں جامعہ رضویہ، چیچہ وطنی، ضلع ساہیوال کی طرف سے شائع ہوئی۔

اب اس کا دوسرا ایڈیشن قارئین کرام کی خدمت میں پیش کیا جا رہا ہے۔ پہلے ایڈیشن میں کتابت کی کچھ غلطیاں رہ گئی تھیں، جن کی تصحیح کر دی گئی ہے۔

امید ہے اس کتاب کا مطالعہ قارئین کرام کے لئے مفید اور ایمان افروز ثابت ہوگا۔

سید فیاض حسین نقوی

۲۵ رشعبان المعظم ۱۴۰۴ھ

مطابق ۲۷ رمئی ۱۹۸۴ء

معاد

اصولِ دین میں سے ایک اصل

جہاں دینی اسلام کے اصولوں میں سے ایک اصل جو دینِ اسلام کے ایمانی و اعتقادی ارکان میں سے ایک رکن بھی ہے، ایمان بہ زندگی جاوید اور حیاتِ اُخروی ہے۔ آخرت پر ایمان شرطِ مسلمانیت ہے جو شخص اس پر ایمان نہ رکھتا ہو یا انکار کردے تو وہ مسلمانوں کی صف سے خارج ہے۔

اصل توحید کے بعد جس اہم ترین اصل کی طرف پیغمبرانِ الہٰی نے (بدون استثناء) متوجہ کیا ہے اور ایمان لانے کا کہا ہے۔ یہی اصل ہے جو متکلمینِ اسلام کے نزدیک "اصل معاد" کے نام سے مشہور ہے۔

قرآن کریم میں سینکڑوں آیات ایسی ہیں جن میں کسی نہ کسی طرح عالم بعدازمرگ روز قیامت۔ کیفیت حشر و نشر۔ میزان۔ حساب۔ ضبطِ اعمال۔ بہشت۔ جہنم۔ حیاتِ جاودانی و اُخروی اور باقی مسائل مابعد موت سے بحث کی گئی ہے۔

لیکن ۱۲ آیات میں صراحتاً خدا پر ایمان لانے کے بعد قیامت پر ایمان کا ذکر کیا گیا ہے قیامت کے بارے میں قرآن میں مختلف تعبیریں ہیں اور ہر تعبیر معرفت کا ایک باب ہے

ایک تعبیر "الیوم الاخر" ہے۔ اس تعبیر سے قرآن ہمیں دو نکات کی طرف اشارہ کرتا ہے

الف : حیات انسان بلکہ دورہ جہاں، دو ادوار میں تقسیم ہوتا ہے ہر دور کو ایک روز کہہ سکتے ہیں۔

ایک روز و دور اوّل و ابتدا ہے جس نے ختم ہو جانا ہے۔ "دورہ دنیا"

دوسرا روز و دور "دورہ آخرت" جو آخر ہے جس کی کوئی انتہا نہیں۔

بعض مقامات پر حیات دنیوی کو اُولیٰ اور حیاتِ اخروی کو آخرت کہا گیا ہے

ب : اب جبکہ ہم حیات کے دور اوّل کو طے کر رہے ہیں اور روز و دور دوم تک نہیں پہنچے اور وہ ہم سے پوشیدہ ہے تو ہماری سعادت و خوش بختی اسی میں ہے کہ آج ہم آنے والے روز کا ایمان و یقین پیدا کریں۔

ہماری سعادت آج کے دن اسی ایمان کے ساتھ مربوط ہے کہ ہمارے اعمال، اقوال، رفتار و کردار، خیالات، گفتار، اخلاق اور عادات بلکہ سب صفات خود ہماری طرح ان کے لیے بھی روز اوّل و روز آخر ہے۔ ایسا نہیں کہ اب ختم ہو جائیں گے بلکہ باقی رہیں گے اور روزِ آخر میں حساب ہوگا۔

ہمیں اپنے آپ اور اعمال دنیات کو نیک بنانا چاہیئے۔ کارہائے بد اور غلط خیالات سے پرہیز کرنا چاہیئے تاکہ ہم نیکی۔ نیک خوئی و نیک رفتاری پر گام زن ہو سکیں۔

لیکن روز آخرت میں ہماری سعادت اس وجہ سے ہمارے ایمان کے ساتھ وابستہ ہے (جیسا کہ ہم بعد میں بیان کریں گے) کہ اس جہان آخرت میں انسان کی سعادت و خوش بختی یا شقاوت و بدبختی کا سبب اس دنیا کے اعمال اور رفتار و کردار ہے۔

اسی لیے قرآن کریم اعتقاد یوم آخرت کو سعادت بشر کے لیے لازم و حتمی قرار دیتا ہے۔

قیامت پر ایمان کیوں اور کس لیے ؟

زندگی جاوید اور حیاتِ اُخروی پر ایمان کا منبع و ماخذ سب سے پہلے وحی الٰہی ہے۔

وحی الٰہی جو انبیاء و رسل کے توسط سے انسان تک پہنچی ہے۔ معرفت خدا کے بعد جب انسان نے پیغمبرانِ خدا کی سچائی کا اعتقاد پیدا کر لیا اور یہ کہ پیغمبر جو کچھ کہتے ہیں وہ خدا کی طرف سے ہوتا ہے۔ اس کا خلاف ممکن نہیں تو اس کے لیے قیامت کے وجود پر ایمان لانا ضروری ہوگا جو تمام انبیاء و رسل کے نزدیک توحید کے بعد اہم ترین اصل اسلام ہے۔ انسان کا درجہ ایمان بر حیات اخروی ایک طرف اس چیز سے مرلوط ہے کہ اس کا ایمان اصل نبوت پر کس قدر ہے۔ کس قدر نبی کی سچائی و صدق گفتار کا قائل ہے۔ دوسری طرف اس کا ربط اس امر سے ہے کہ اس کی معرفت کی سطح کس قدر بلند ہے معاد اور آخرت کے متعلق اس کا تصور کس قدر معقول ہے۔ تصورات جاہلانہ و خیالات عامیانہ تو اس کے دل میں جگہ نہیں پا رہے۔

البتہ وحی الٰہی جس کی خبر انسان کو انبیاء کے واسطے سے ہوتی ہے کے علاوہ کچھ قرائن اور علامات ہیں جن کی وجہ سے معاد کے وجود کا اعتقاد پیدا کیا جا سکتا ہے۔ یہ قرائن انسان کی فکری عقلی اور علمی تلاش کا نتیجہ ہیں۔ اور ان وجوہات کو کم از کم انبیاء کے فرامین کا مؤید قرار دیا جا سکتا ہے جو یہ ہیں:

(۱) معرفتِ خدا کا طریقہ۔
(۲) شناختِ جہان کا طریقہ۔
(۳) انسان کے نفس و روح کی معرفت۔

فی الحال ان قرائن سے ہم متعرض نہیں ہونا چاہتے کیونکہ یہ علمی و فلسفی مسائل ہیں ہم صرف وحی و نبوت کے ذریعہ معاد کو سمجھنا چاہتے ہیں۔ البتہ قرآن ان قرائن کے متعلق کیا نظریہ پیش کرتا ہے؟ اس کا ذکر بعد میں قرآن کا استدلال جہانِ اخروی کے متعلق کے عنوان کے تحت کرینگے۔ وہ مسائل جن سے بحث ضروری ہے تاکہ معاد و زندگی جاوید کا مسئلہ اسلامی نظریہ کے مطابق روشن ہو جائے۔

چند امور ہیں:

۱. حقیقت موت۔
۲. زندگی بعد از موت۔

۳۔ عالمِ برزخ

۴۔ قیامت کبریٰ

۵۔ زندگی دنیوی کا زندگی اخروی سے ربط۔

۶۔ انسانی اعمال کا تجسم اور جاوداں ُدائمی ہونا۔

۷۔ زندگی دنیوی و اخروی میں امور مشترکہ و امور مختلفہ۔

۸۔ قرآن کا استدلال جہانِ اخروی کے متعلق۔

---

(۱) حقیقت و ماہیت موت

موت کیا ہے ؟ آیا مرگ نیستی نابودی اور فنا کا نام ہے یا موت تحول و تغیر یعنی ایک جگہ سے دوسری جگہ انتقال اور ایک جہاں سے دوسرے جہاں نقل کا نام ہے۔

یہ سوال شروع سے بشر کے سامنے تھا اور ہے۔ ہر شخص اس کا جواب چاہتا ہے تاکہ ایمان و اعتقاد پیدا کر سکے۔

ہم مسلمان قرآن پر ایمان رکھتے ہیں اس لیے اس سوال کا جواب قرآن سے حاصل کرنا چاہیے تاکہ وہی ہمارا اعتقاد بن سکے۔

قرآن کریم کا موت کے متعلق ایک خاص نظریہ ہے۔

قرآن کریم موت کو لفظ توفّی سے تعبیر کرتا ہے۔

توفّی یعنی کیا ؟

توفّی و استیفاء دونوں کا مادہ "وفاء" ہے۔

جب کوئی کسی چیز کو بہ تمام و کمال و بدون کم و کاست حاصل کر لے تو عربی میں اس کے لیے لفظ توفّی استعمال کیا جاتا ہے۔

تَوَفَّيْتُ الْمَالَ تمام مال بدون کم وکاست میں نے پالیا۔

قرآن کریم کی چودہ آیات میں مرگ کے لیے لفظ توفیّٰ استعمال ہوا ہے۔ تمام سے یہی سمجھا جاتا ہے کہ موت قرآن کے مطابق، تحویل ہے۔ یعنی انسان بوقت موت اپنی تمام شخصیتُ واقعیت کے ساتھ مامورین (فرشتگان) خداوندی کے حوالہ ہورہا ہے اور مامورین الہٰی نے نے بدون کم وکاست انسان کو پالیا ہے۔

قرآن کی اس تعبیر سے ذیل کے مطالب مستفاد ہو سکتے ہیں۔

الف : مرگ نیستی و نابودی و فنا نہیں بلکہ ایک عالم سے دوسرے عالم کی طرف انتقال۔ اور ایک نشأۃ (زندگی) سے دوسری نشأۃ (زندگی) کی طرف نقل ہے۔ حیاتِ انسانی کو اب دوسری زندگی میں دوام حاصل ہے۔

ب : وہ چیز جو شخصیت انسانی کو تشکیل دے رہی ہے اور "میں" شمار ہوتی ہے وہ بدن اور آلات بدن نہیں۔ کیونکہ بدن و اعضاء بدن روز بروز تحلیل و منہدم ہو رہے ہیں۔ شخصیت واقعی کی تشکیل دہندہ جسے (میں) واقعتاً کہا جاسکتا ہے اسے قرآن میں نفس یا کبھی روح سے تعبیر کیا گیا ہے۔

ج : روح یا نفس انسانی جسے معیار شخصیت واقعی انسان قرار دیا گیا ہے اور جس کے دوام پر انسان کی زندگی جاوید کا دار و مدار ہے۔ مقام و مرتبہ وجودی کے لحاظ سے وہ افق مادہ مادیات سے بالا ہے۔ روح یا نفس اگرچہ طبیعت کے کمال جوہری کا ماحصل ہے مگر طبیعت کمال جوہری کے اثر سے جب روح یا نفس میں تبدیل ہوتی ہے تو اس کا افق وجودی و مرتبہ و مقام تبدیل ہو جاتا ہے۔ اس کی سطح بلند او رعالم ماورا ۔ طبیعت کی جنس سے اسے شمار کیا جاتا ہے۔ موت کی وجہ سے روح یا نفس عالم مادی سے عالم روحی کی طرف منتقل ہو جاتا ہے۔ ایک اور تعبیر کے مطابق مرگ کے وقت اس حقیقت

مافوق المادہ کو اپنے حوالے لیا گیا ہے۔

قرآن کریم نے آیات خلقت انسانی میں (جن کا ربط معاد و حیات اخروی سے نہیں) یہ مطلب گوش زد کیا ہے کہ انسان میں ماوراء جنس آب و گل ایک اور حقیقت ہے آدم اول کے بارے میں ارشاد ہے: ونفخت فیہ من روحی۔ اور میں نے اپنی روح سے کچھ پھونک دی۔

روح کی بقاء موت کے بعد

مسئلہ روح: نفس اور بقاء روح بعد از موت اسلام کے بنیادی مسائل میں سے ہے۔ بعض ناقابل انکار معارف اسلامی کا دار و مدار۔ اصالت روح۔ استقلال روح اور بقاء روح بعد از موت پر ہے جیسا کہ انسانیت اور اس کی اہمیت واقعی اسی حقیقت پر معلق ہے۔ بدون روح یہ سب چیزیں وہم محض و خیال فاسد ہی سمجھی جائیں گی۔

تمام قرآنی آیات جو صراحتاً زندگی بلافاصلہ بعد از موت پر دلالت کرتی ہیں۔ "جن میں سے بعض کا ذکر کیا جائے گا" سب اس بات کی دلیل ہیں کہ قرآن روح کو بدن سے مستقل اور فناء بدن کے بعد اسے باقی تصور کرتا ہے۔ بعض لوگوں کا نظریہ ہے کہ قرآن کی رو سے روح یا نفس کچھ بھی نہیں۔ انسان مرنے کے بعد ختم ہو جاتا ہے۔ یعنی بعد از موت شعور، ادراک، خوشی و تکلیف کچھ بھی نہیں۔ البتہ جب قیامت کبریٰ کا وقوع ہوگا تو انسان کو نئی زندگی ملے گی اس وقت انسان میں اپنا اور جہاں کا شعور ہوگا۔

لیکن یہ نظریہ ان آیات کی وجہ سے جو صراحتاً حیات بلافاصلہ بعد از موت پر دلالت کرتی ہیں باطل ہے۔ ان لوگوں کا خیال ہے کہ معتقدین وجود روح کی دلیل فقط آیہ

قل الروح من امر ربی ہے۔

لہٰذا کہتے ہیں کہ قرآن میں کئی جگہ لفظ روح استعمال ہوا ہے اس سے مراد کچھ اور ہے۔ یہ

آیت بھی اسی معنی پر دلالت کر رہی ہے۔

یہ لوگ نہیں سمجھتے کہ قائلین روح کی دلیل یہ آیت نہیں دبلکہ دوسری تقریباً ۲۰ آیات ہیں)

البتہ یہ آیہ دوسری آیات کی مدد سے جن میں مطلق روح کا ذکر آیا ہے یا روح کے ساتھ اور کوئی

قید ہے۔ جیسے روحنا، روح القدس، روحی روحاً من امرنا وغیرہ کو خلقت انسانی کے بارہ میں

و نفخت فیہ من روحی ہے نشاندہی کر رہی ہے کہ قرآن کی نظر میں ایک حقیقت

ایسی موجود ہے جو ملائکہ اور انسان سے اعلیٰ وارفع ہے بنام روح ملائکہ اور انسان اپنی واقعیت

دامری) یعنی اپنی روح اسی کے فیض سے باذن پروردگار رکھتے ہیں۔

خلاصہ : تمام آیات روح اور یہ آیت و نفخت فیہ من روحی نشاندہی

کررہی ہیں کہ روح انسانی واقعیت غیر مادی ہے [۱]

فقط قرآن ہی نہیں جو آیات متعددہ میں اصالت روح پر دال ہے بلکہ متواتراً

کتب حدیث۔ دعا و نہج البلاغہ میں رسالت مآب صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم و آئمہ اطہار سے بھی اس

مطلب کی تائید ہوتی ہے۔

حقیقت ہے کہ روح کا انکار مغرب کا ایک خیال کثیف و گندیدہ ہے جو ان کی مادیت

میں ڈوبی ہوئی سوچ کا کرشمہ ہے متأسفانہ بعض قرآن کریم کے معتقد بھی باوجود حسن نیت کے اس

خیال کے گرویدہ ہوتے ہیں۔

اب نمونہ کے طور پر چند آیات جن میں موت کو توفّی سے تعبیر کیا گیا ہے بعض آیات

میں حیات انسانی بلا فاصلہ بعد از موت کا ذکر ہے (بطور مکالمہ آرزو اور تقاضا) کو ذکر کر رہے ہیں

---

[۱] تفسیر المیزان جلد ۱۳ ص ۱۹۵ ذیل آیہ وقل الروح من امر ربی۔

و جلد ۳ صفحہ ۲۷۵ ذیل ایہ یوم یقوم الروح و الملائکۃ صفا۔

چار آیات میں سے تین میں موت کو لفظ توفّی سے تعبیر کیا گیا ہے۔

۱۔ ان الذین توفھم الملآئکۃ ظالمی انفسھم قالوا فیم کنتم قالوا کنا مستضعفین فی الارض قالوا ألم تکن ارض اللہ واسعۃ فتھاجروا فیھا فأولئک مأوٰیھم جھنم وساءت مصیراً۔ (سورہ نسا، آیت ۹۷)

جب ظالموں کو مامورانِ خدا بہ تمام و کمال پالیں گے۔ فرشتے ان سے کہیں گے یہ تم کس حال میں مبتلا تھے۔ وہ کہیں گے کہ ہم زبوں حال، کمزور اور محیط کے محکوم تھے فرشتے کہیں گے کیا خدا کی زمین وسیع نہ تھی کہ تم اس میں ہجرت کرتے۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کا ٹھکانہ جہنم اور انجام بد ہے۔

یہ آیت ان لوگوں کے بارہ میں ہے جو کہ نامساعد محیط میں زندگی گزار رہے تھے جب کہ کچھ لوگ اس محیط کو اپنی مرضی سے ادارہ کر رہے تھے اور یہ کمزور لوگ اس محیط میں محکوم تھے۔ اب یہ کہ (محیط فاسد و نامساعد سے ہم مجبور تھے) کو بطور عذر پیش کر رہے ہیں۔ یہ لوگ بجائے اس کے کہ محیط کو تبدیل کریں اگر تبدیلی کی قدرت نہیں رکھتے تو خود کو اس کے چنگل سے بچانے کی کوشش کریں یہ اچھے محیط و معاشرہ میں چلے جائیں۔ اسی میں رہے خود کو اسی کے رنگ میں رنگے ہوئے تھے۔ فرشتے ان کو اپنی تحویل میں لینے کے بعد گفتگو کر رہے ہیں۔ ان کے عذر کو غیر مقبول قرار دیتے ہوئے کہہ رہے ہیں۔ ہجرت کیوں نہیں کی۔ فرشتے انہیں یاد دلا رہے ہیں سمجھا رہے ہیں۔ اس ستم کے جو تم پر ہوا تم خود مسئول ہو یعنی اپنے گناہوں کے مسئول تم خود ہو۔

قرآن کریم ہمیں یاد دلا رہا ہے کہ (ماحول کی وجہ سے) بیچارگی و ناتوانی عذر نہیں بن سکتی مگر یہ کہ ہجرت کے دروازے بھی بند ہوں۔

ہم دیکھ رہے ہیں کہ موت (جس کو ظاہراً نیستی و فنا سمجھا جاتا ہے) کو توفّی یعنی تحویل

پالینے سے تعبیر کیا گیا ہے اور صرف تعبیر ہی نہیں بلکہ رسمی طور پر فرشتوں اور انسان کے درمیان بعد از موت گفتگو و احتجاج ہو رہا ہے واضح ہے کہ اگر انسان باقی نہ ہو اور انسان لاشۂ بے حس و شعور ہو جائے تو مکالمہ کوئی معنی نہیں رکھتا۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ انسان اس جہان سے جانے کے بعد آنکھ کان اور زبان سے مخلوق نامرئی یعنی فرشتوں سے گفت و شنید کرنے میں مشغول ہے۔

۲۔ وقالوا أاذا ضللنا فی الارض أإنا لفی خلق جدید

بل ھم بلقاء ربھم کافرون۔ قل یتوفاکم ملک الموت

الذی وکل بکم ثم الی ربکم ترجعون (سورہ سجدہ آیت ۱۱)

یہ لوگ کہتے ہیں کہ جب ہم مٹی میں مل چکے ہوں گے تو کیا ہم پھر نئے سرے سے پیدا کئے جائیں گے (یہ باتیں بہانہ ہیں) اصل بات یہ ہے کہ یہ (از روئے عناد) اپنے رب کی ملاقات کے منکر ہیں۔ کہدو موت کا وہ فرشتہ جو تم پر مقرر کیا گیا۔ تم کو پورے کا پورا اپنے قبضے میں لے لے گا۔ پھر تم اپنے رب کی طرف پلٹائے جاؤ گے۔

اس آیہ میں قرآن کریم منکرین معاد و حیات اخروی کے ایک شبہ اور اشکال کو ذکر کرکے اس کا جواب دے رہا ہے۔

اشکال یہ ہے کہ موت کے بعد ہمارا ہر ذرہ نابود اور کوئی نشان باقی نہیں رہے گا۔ تو پھر کس طرح ممکن ہے کہ ہم تازہ پیدا کیے جائیں۔

جواب : یہ شبہات بہانہ جوئی اور از روئے عناد ہیں۔ اسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے قرآن کہہ رہا ہے واقعیت و حقیقت آپ کی وہی نہیں جسے تم گم سمجھ رہے ہو بلکہ انسان کی تمام حقیقت و واقعیت فرشتہ خدا کے قبضہ میں ہے۔

اشکال کرنے والوں کا مقصد "گم ہو جانے سے" یہ ہے کہ جب ہمارے بدن کا ہر

ذرہ نابود اور اس کا اثر باقی نہیں رہے گا تو کس طرح اس بدن کو دوبارہ زندہ کیا جا سکتا ہے۔

بعینہ یہی اشکال "اجزائے بدن کا متفرق و گم ہو جانا" قرآن کریم کی دوسری آیات میں بھی مذکور ہے اور جواب بھی اور دیا گیا ہے کہ "گم ہونا" تمہاری نظر میں گم ہونا ہے۔ بشر کے لیے مشکل بلکہ ناممکن ہے کہ ان ذرات کو جمع کرے مگر خدا (جس کا علم و قدرت نامتناہی ہے) کے لیے مشکل نہیں۔

آیات مذکورہ میں منکرین کا اعتراض اجزائے بدن سے متعلق ہے کہ کس طرح اور کہاں سے جمع کیے جائیں گے لیکن یہاں اور جواب دیا گیا ہے کیونکہ یہاں سوال فقط یہ نہیں کہ "اجزائے بدن نابود ہو گئے۔ ان کا کوئی نشان نہیں" بلکہ یہ بھی ہے کہ اجزائے بدن کے گم ہونے سے "ہم" گم ہو گئے اب (میں) کا وجود کہیں نہیں۔ بہ عبارت دیگر اجزائے بدن کے نابود ہونے سے ہماری حقیقت واقعیہ معدوم ہو جائے گی۔

قرآن جواب میں فرما رہا ہے "تمہارے گمان کے برخلاف" تمہاری حقیقت اور (میں) گم ہی نہیں ہوتی تاکہ تلاش کی ضرورت ہو۔ تمہاری حقیقت تو فرشتگان خدا کے قبضے میں ہے۔

خلاصہ: اس آیت میں بہ کمال صراحت انسان کی حقیقت واقعیہ کی بقا (بقاء روح) بعد از (یا باوجود اجزائے بدن کے فنا ہونے کے) ذکر ہے۔

۳۔ اللہ یتوفی الانفس حین موتھا والتی لم تمت فی منامھا فیمسک التی قضی علیھا الموت ویرسل الاخری الی اجل مسمی ان فی ذالک لآیات لقوم یتفکرون ط (سورہ زمر آیت ۴۲)

خداوند عالم نفوس کو بوقت موت۔ اور جو ابھی نہیں مرا بوقتِ خواب۔ بہ تمام و کمال لے لیتا ہے پھر جس پر وہ موت کا فیصلہ نافذ کرتا ہے اسے روک لیتا ہے اور دوسروں کی روحیں ایک وقت معین کے لیے واپس بھیج دیتا ہے اس میں فکر کرنے والی قوم کے لیے

(خدا کی) بہت سی نشانیاں ہیں۔

یہ آیت نیند و موت میں مشابہت بیان کر رہی ہے۔ ضمناً بیداری و آخرت میں مشابہت کا بھی ذکر ہے۔

نیند خفیف اور چھوٹی موت ہے اور موت شدید اور بڑی نیند ہے۔۔۔ ہر دو مرحلہ میں روح و نفس انسان کا ایک نشأۃ سے دوسرے نشأۃ کی طرف انتقال ہے۔ اسی فرق کی بنا پر کہ نیند کی حالت میں انسان غالباً غفلت میں ہوتا ہے، بیداری کے بعد نہیں جانتا کہ حقیقتاً سفر سے لوٹا ہے بہ خلاف حالت مرگ کہ اس وقت ہر چیز اس پر روشن ہے۔

تینوں آیات سے کاملاً سمجھا جا سکتا ہے کہ حقیقت مرگ قرآن کی رو سے نیستی نابودی اور فنا نہیں بلکہ ایک عالم سے دوسرے عالم کی طرف انتقال ہے۔ ضمناً ماہیت و حقیقت خواب بھی از نظر قرآن روشن ہو گئی کہ خواب و نیند اگرچہ جسمی و ظاہری لحاظ سے تعطیل قویٰ کا نام ہے مگر روحی نفسی لحاظ سے باطن و ملکوت کی طرف رجوع و گریز ہے۔

مسئلہ خواب بھی مسئلہ موت کی طرح مجہول الحقیقت ہے۔ علم ظاہری یہ سمجھتا ہے کہ خواب جسمی جریان ہے جو قلمرو بدن میں صورت پذیر ہے

موت کے بعد

کیا انسان بعد از موت ایک دم عالم قیامت میں وارد ہو گا اور معاملہ صاف ہو جائے گا یا مرگ و قیامت کے مابین ایک عالم خاص کو طے کرے گا اور جب قیامت کبریٰ ہو گی تو وارد عالم قیامت ہو گا؟

البتہ یہ کہ قیامت کبریٰ کب ہو گی! اس کا علم صرف خدا کو ہے۔ انبیاء و رسل نے بھی لاعلمی کا اظہار کیا ہے۔

نصوص قرآن کریم حضرت رسول اعظمؐ اور آئمہ اطہار علیہم السلام کے اخبار و روایات

متواترہ ناقابل انکار سے مستفاد ہوتا ہے کہ کوئی بھی بعد از موت بلافاصلہ وارد قیامت نہیں ہوگا۔

کیونکہ قیامت کبریٰ انقلاب کلی و تغییر کامل کے مقارن ہے۔ تمام موجودات زمینی و آسمانی جن کا ہمیں علم ہے۔ پہاڑ، دریا، چاند، سورج ستارے اور کہکشاں میں سے بروز قیامت کوئی چیز بھی اپنی موجودہ حالت پر برقرار نہیں رہے گی۔ قیامت کبریٰ میں اولین و آخرین سب جمع ہوں گے حالانکہ ہم دیکھ رہے ہیں۔ ابھی نظام جہاں برقرار ہے۔ شاید ملیونھا بلکہ ملیاردھا سال برقرار ہے اور ملیاردہا اور انسان اس دنیا میں آئیں۔ اسی طرح قرآن کریم کی رو سے (جیسے بعض آیات سے معلوم ہوا جن کا ذکر بعد میں ہوگا) کوئی بھی ایسا نہیں جس کا قیامت و موت کے درمیان کا فاصلہ خاموشی و بے حسی میں گزر جائے۔ یعنی ایسا نہیں کہ مرنے کے بعد انسان نیم بیہوشی کی حالت میں ہو کسی چیز کا احساس نہ رکھتا ہو۔ نہ لذت ہو نہ الم نہ خوشی ہو نہ تکلیف۔

بلکہ مرنے کے بعد انسان حیات کے ایسے مرحلہ میں ہوگا جس میں ہر چیز کو محسوس کر رہا ہوگا۔ کچھ چیزوں سے اسے لذت اور کچھ سے تکلیف ہوگی۔ البتہ لذت و الم کا ربط افکار و اعمال دنیا سے ہے۔ قیامت کبریٰ تک یہ مرحلہ باقی رہے گا۔ جب انقلاب و دگرگونی کلی آن واحد میں تمام جہاں کو اپنی لپیٹ میں لے لے گی۔ دور ترین ستارگاں سے لے کر زمین تک ہر چیز انقلاب کی زد میں ہوگی۔ یہ مرحلہ یا یہ عالم جو سب کیلئے دنیا و قیامت کے درمیان حد فاصل تھا اختتام پذیر ہوگا۔ قرآن کریم کی نظر میں مرنے کے بعد عالم میں دو مرحلے ہوں گے۔ بہ تعبیر صحیح تر مرنے کے بعد انسان دو مرحلے طے کرے گا۔

ایک عالم برزخ جو عالم دنیا کی طرح ختم ہو جائے گا اور دوسرا عالم قیامت جو کبھی بھی ختم نہیں ہوگا۔

عالم برزخ و عالم قیامت

عالم برزخ

دو چیزوں کے درمیان حائل و فاصلہ کا نام برزخ ہے۔

قرآن کریم موت وقیامت کے درمیان زندگی کو عالم برزخ سے تعبیر کر رہا ہے۔

سورہ مومنون آیہ نمبر ۱۰۰۔

حتیٰ اذا جاء احدھم الموت قال رب ارجعون

لعلی اعمل صالحا فی ما ترکت کلا انھا کلمۃ

ھو قائلھا ومن ورائھم برزخ الی یوم یبعثون۔

جب کسی کے پاس موت آئے گی تو وہ عرض کرے گا بار الہا مجھے دنیا میں پلٹا دے تاکہ

جو اعمال صالحہ ترک کیے ہیں ان کو بجا لاؤں لیکن یہ کہنے والے کا صرف تعلقہ لسانی ہے۔

واقعی نہیں حالانکہ موت کے وقت سے عالم حشر و نشر کے درمیان برزخ و فاصلہ ہے۔

قرآن کریم میں فقط یہی آیت ہے جس میں موت وقیامت کے درمیان فاصلہ کو برزخ

سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اسی کو مد نظر رکھتے ہوئے علماء اسلام نے دنیا اور قیامت کبریٰ کے درمیانی

عالم کا نام عالم برزخ رکھا ہے۔

اس آیت میں مرنے کے بعد کی زندگی کا ذکر اس طرح ہے کہ انسان مرنے کے بعد

اظہار پشیمانی کرتے ہوئے درخواست کریں گے کہ ایک دفعہ دنیا میں پھر لوٹایا جائے لیکن

انکار کر دیا جائے گا۔

یہ آیت صراحتاً بتا رہی ہے کہ بعد از مرگ ایک قسم کی زندگی ہے جس میں واپسی کی

خواہش کی جائے گی لیکن رد کر دی جائے گی۔

ایسی آیات قرآنی ؛

"جن میں دلالت ہے کہ موت وقیامت کے درمیان ایک قسم کی

زندگی ہے اس کا شدت سے احساس ہوگا۔ گفت و شنید ہوگی۔ لذت و رنج

سرور و غم بھی ہوگا۔ بالآخر ایسی زندگی جس میں سعادت کی آمیزش ہوگی۔"

کی تعداد ۵۰ کے قریب ہے جن میں کسی نہ کسی طرح حیات کا ذکر ہے۔

ان کی کئی اقسام ہیں۔

۱۔ وہ آیات جن میں صالح و نیکوکار یا بدکار انسانوں کی فرشتگانِ خدا سے بات چیت کا ذکر ہے۔ یہ گفتگو مرنے کے بعد بلا فاصلہ ہے۔ اس قسم کی آیات کی تعداد کافی ہے سورۂ نساء کی آیہ نمبر ۹۷ و آیہ نمبر ۱۰۰ از سورہ مومنون جن کا ذکر مع ترجمہ پہلے ہو چکا ہے اسی قبیل سے ہیں۔

۲۔ وہ آیات جن میں مضمون بالا کے علاوہ ہے کہ فرشتے رسماً نیکوکار انسانوں سے بات چیت میں کہیں گے کہ نعمتہائے الٰہی سے فائدہ اٹھاؤ یعنی قیامت کبریٰ کی آمد تک انتظار نہیں بلکہ ابھی سے نعمات سے بہرہ ور ہوں۔

ذیل کی دو آیات اسی مطلب پر مشتمل ہیں:

الف: الذین تتوفاھم الملائکۃ طیبین یقولون سلام علیکم ادخلوا الجنۃ بما کنتم تعملون۔ سورہ نحل/۳۲

وہ لوگ کہ پاکیزگی کی حالت میں فرشتے انہیں اپنی تحویل میں لیتے ہوئے کہیں گے آپ پر سلام۔ اپنے اچھے کردار کی وجہ سے جنت میں داخل ہو جاؤ۔

ب: قیل ادخل الجنۃ قال یالیت قومی یعلمون بما غفرلی ربی وجعلنی من المکرمین۔ سورہ یٰسین ۲۶/۲۷-

مرنے کے بعد اس سے کہا جائے گا بہشت میں داخل ہو جا۔ وہ کہے گا۔ اے کاش جن لوگوں نے میری بات نہیں سنی، اب جان لیتے کہ میرے پروردگار نے مجھے کیسے بخش دیا اور اپنے بندگانِ معزز میں سے قرار دیا ہے۔

اس آیت سے پہلے کی آیات میں مومن آلِ یٰسین کی اپنی قوم کے ساتھ گفتگو کا ذکر ہے۔

جس میں وہ لوگوں کو شہر انطاکیہ میں ان انبیاء کی پیروی کا کہہ رہا ہے جو عوام الناس کو غیر خدا کی عبادت سے منع اور خدا کی مخلصانہ عبادت کی طرف دعوت دے رہے تھے اس کے بعد یہ مومن اپنے ایمان و اعتقاد کا اظہار کر کے کہہ رہا ہے کہ میری بات سنو اور اس پہ عمل کرو۔

اس آیت میں خداوند عالم فرماتا ہے کہ لوگوں نے اس کی بات کو نہ سنا حتیٰ کہ دوسرے جہان میں چلے گئے۔ دوسرے عالم میں مغفرت و کرامت الٰہی کے مشاہدہ کے بعد آرزو کر رہا ہے۔ اے کاش میری قوم جو اس وقت دار دنیا میں ہے۔ میری سعادتمندانہ کیفیت کا مشاہدہ کر سکتی۔

واضح ہے کہ یہ حالت قیامت کبریٰ سے قبل ہے کیونکہ قیامت کبریٰ میں اولین و آخرین سب جمع ہوں گے۔ روئے زمین پر کوئی بھی موجود نہیں ہوگا۔

ضمناً اس نکتہ کو سمجھ لیں کہ مرنے کے بعد نیکو کار لوگوں کے لئے بہشتیں مہیا ہیں نہ فقط بہشت۔ یعنی مختلف اقسام کی بہشتیں۔

آخرت میں بہشت کے مدارج قرب الٰہی کے مدارج و مراتب کی وجہ سے ہوں گے۔ جیسا کہ اخبار و روایات اہل بیت اطہار علیہم السلام سے مستفاد ہوتا ہے یہ ہے کہ ان بہشتوں میں سے بعض عالم برزخ سے مربوط ہیں نہ کہ عالم قیامت سے اوپر والی روایات میں بہشت کے ذکر سے یہ نہ سمجھ لیا جائے کہ یہ عالم قیامت سے مربوط ہے۔

۳۔ وہ آیات جن میں فرشتوں کا انسانوں کے ساتھ بات چیت کا ذکر نہیں بلکہ سعادتمند نیکو کار یا بے سعادت و بدکار انسانوں کی زندگی کا ذکر ہے۔ پہلی قسم کے لیے نعمات اور دوسری صنف کے لیے عذاب و رنج۔ یہ مرنے کے بعد اور قیامت کبریٰ سے پہلے ہوگا۔

وہ آیات ذیل اسی قبیل سے ہیں:

۱۔ ولا تحسبن الذین قتلوا فی سبیل اللّٰہ امواتا بل احیاء عند ربھم یرزقون فرحین بما آتٰھم اللّٰہ من فضلہ ویستبشرون

بالـذين لم يلحقوابهم من خلفهم الاّ خوف عليهم ولا هـم يحزنون۔ آل عمران / ۱۶۹-۱۷۰

آپ یہ گمان نہ کریں کہ راہِ خدا میں مقتول مردہ ہیں بلکہ وہ اپنے پروردگار کے نزدیک زندہ ہیں اور روزی دیئے جا رہے ہیں۔ اپنے فضل و رحمت سے خدا نے جو کچھ دیا ہے اس پر خوش ہیں ان کی آرزو ہے کہ بشارت شہادت ان کے دنیا کے دوستوں کو پہنچے تاکہ انہیں بھی اپنے ساتھ شہادت میں شریک دیکھیں۔

۲۔ وحاق بآل فرعون سوء العذاب۔ النار يعرضون عليها غدوا وعشيا ويوم تقوم الساعة ادخلوا آل فرعون اشد العذاب۔ مومن / ۴۵-۴۶

آگ کے تکلیف دہ عذاب نے آل فرعون کا احاطہ کر رکھا ہے ہر صبح و شام آگ اُن کے پیش کی جاتی ہے جب قیامت ہوگی کہا جائے گا آل فرعون کو اب شدید ترین عذاب میں داخل کر دو۔

اس آیت میں آل فرعون کے لیے دو قسم کے عذاب کا ذکر ہے۔ ایک قیامت سے پہلے جس کو سوء العذاب سے تعبیر کیا گیا ہے وہ یہ کہ ہر روز دو بار آگ پر پیش کیے جاتے ہیں بغیر اس کے کہ اس میں وارد ہوں۔

دوسرا بعد از قیامت جس کو اشد العذاب سے تعبیر کیا گیا ہے۔

حکم ہوگا انہیں جہنم میں داخل کیا جائے۔ پہلے عذاب میں صبح و شام کا تذکرہ ہے دوسرے عذاب میں نہیں۔

جیسا کہ امیر المومنین علیہ السلام کا اس کی توضیح و تفسیر میں فرمان ہے کہ پہلا عذاب چونکہ عالم برزخ سے مربوط ہے اسی لیے صبح و شام کا ذکر ہے کیونکہ عالم برزخ میں عالم دنیا کی طرح

صبح، شام، ہفتہ، ماہ و سال ہیں، بہ خلاف دوسرے عذاب کے کہ اس کا ربط عالم قیامت کے ساتھ ہے۔ وہاں صبح و شام اور ہفتہ و ماہ وغیرہ کا وجود نہیں۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم امیر المومنین علی علیہ السلام اور باقی آئمہ اطہار علیہم السلام کی احادیث و روایات میں عالم برزخ کا ذکر ہے۔ نیز اہل ایمان و اہل معصیت کی حیات کا بھی بتاکید تذکرہ ہے۔ جنگ بدر میں جب مسلمانوں کو فتح ہوئی اور سرداران قریش کو ہلاکت کے بعد ایک کنواں میں ڈال دیا گیا تو رسول اللہ نے اپنا روئے مبارک کنواں میں کر کے فرمایا۔ "خدا نے ہمارے ساتھ جو وعدہ کیا تھا وہ ہم نے پالیا۔ تمہارے ساتھ جو وعدہ کیا وہ تم نے پالیا"۔

بعض اصحاب نے کہا یا رسول اللہ آپ مردوں سے باتیں کر رہے کیا یہ آپ کی بات سمجھ رہے ہیں۔ فرمایا۔ اس وقت یہ تم سے بھی زیادہ شنوا ہیں۔

اس حدیث اور اس جیسی اور احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جب جسم و جان کا رشتہ موت کی وجہ سے منقطع ہوجاتے۔ روح جو سالہا سال جسم کے ساتھ متحد رہی اور وقت بسر کیا بالکلیہ تعلق منقطع نہیں کرتی۔

امام حسین علیہ السلام روز عاشورہ نماز صبح باجماعت پڑھنے کے بعد اصحاب کی طرف متوجہ ہوئے اور ایک مختصر سے خطبہ میں ارشاد فرمایا:

"تھوڑا سا صبر و استقامت سے کام لو۔ موت فقط ایک پل ہے۔
جو درد و رنج کے ساحل سے سعادت و خوشبختی اور جنات وسیعہ کے ساحل پر پہنچا دے گی"۔

حدیث میں وارد ہے۔ لوگ سوئے ہوتے ہیں جب مریں گے بیدار ہوجائیں گے۔ مقصد یہ ہے کہ مرنے کے بعد کی زندگی دنیوی زندگی سے روشن تر ہے۔

جیسا کہ انسان خواب کی حالت میں احساس ضعیف کے درجہ میں ہے نیم زندہ و

نیم مردہ کی حالت میں ہے۔ بعداز بیداری کامل تر حیات اس کو نصیب ہوتی ہے اسی طرح عالمِ دنیا میں عالمِ برزخ کی نسبت زندگی ضعیف و کمزور ہے۔ عالم برزخ کی طرف انتقال سے کامل تر زندگی حاصل ہوگی۔

دو نکات کی طرف توجہ ضروری ہے ،

۱۔ رہبرانِ دین و مذہب کی روایات و اخبار سے مستفاد ہوتا ہے کہ عالمِ برزخ میں فقط ان مسائل کے متعلق سوال ہوگا جن کا تعلق اعتقاد و ایمان سے ہے۔ باقی مسائل کا سوال قیامت کبریٰ میں ہوگا۔

۲۔ ثواب و اجر کی نیت سے مردگان کے لیے جو کام کیا جائے گا وہ مردہ کے لیے موجب خیر و سعادت ہوگا۔ جیسے مطلق صدقات۔ خواہ صدقات جاریہ ہوں۔ یعنی ایسے ادارہ جات کی تشکیل جن کا نفع خلق خدا کو حاصل ہو۔

یا صدقات غیر جاریہ۔ ایک عمل جو جلد ختم ہو جاتا ہے یہ اگر اس نیت سے ہو کر اس کا اجر و ثواب ۔ماں باپ دوست۔ معلم و استاد یا کسی اور مردہ کو نصیب ہو۔ یہ مرنے والے کے لیے ہدیہ شمار کیا جائے گا اور اس کے لیے خوشی و شادمانی کا موجب ہوگا۔ اسی طرح دعا، طلب مغفرت، حج، طواف اور زیارت ان کی نیابت میں۔

ممکن ہے اولاد نے باپ و ماں کو اپنی زندگی میں ناراض رکھا ہو اور مرنے کے بعد ایسے کام کرے جن کی وجہ سے پدر و مادر کی رضا مندی کا مستحق ہو جائے۔ اسی طرح اس کا الٹ یعنی عکس بھی ممکن ہے۔

قیامت کبریٰ

زندگی جاوید کا دوسرا مرحلہ قیامت کبریٰ ہے۔ قیامت کبریٰ (برخلاف عالمِ برزخ

جس کا تعلق افراد سے تھا کہ ہر فرد بلا فاصلہ بعد الموت عالم برزخ میں وارد ہورا تھا۔ تمام عالم سے مربوط ہے یعنی یہ ایسا حادثہ ہے جو تمام عالم و تمام افراد کو اپنی لپیٹ میں لے لے گا یا ایسا واقعہ ہے جس کا تعلق تمام جہان سے ہے۔ سارا جہاں مرحلہ جدید۔ زندگی جدید و نظام جدید میں وارد ہوگا۔

قرآن کریم جس نے ہمیں اس حادثہ عظیم سے آگاہ کیا ہے۔ قیامت کو انقلابِ جہاں کے مقارن قرار دیا ہے۔ ستارے خاموش، سورج بے نور، دریا خشک بلندیاں و ناہمواریاں ہموار پہاڑ ریزہ ریزہ، زلزلے اور جھٹکے عالم گیر ہوں گے ایسا انقلاب کامل ہوگا جو تمام عالم کو دگرگوں کر دے گا۔

قرآن کریم سے یہ سمجھا جا سکتا ہے کہ تمام عالم منہدم اور تمام چیزیں نابود ہوں گی دوسری دفعہ نیا جہان بنے گا۔ نئے سرے سے پیدا ہوگا۔ جس کا انتظام جدید۔ قوانین جدید ہوں گے۔ نظام جہاں آج کے نظام سے مختلف اور قابل دوام ہوگا بلکہ ہمیشہ قائم و دائم رہے گا۔

قرآن کریم میں قیامت کو کئی ناموں سے یاد کیا گیا ہے۔ ہر نام ایک وضع مخصوص و نظام مخصوص کی طرف رہبری کرتا ہے۔

مثلاً (۱)، اس لیے کہ تمام اوّلین و آخرین جمع ہوں گے۔ ان کے درمیان ترتیب زمانی نہیں ہوگی۔ قیامت کو روز حشر روز جمع اور روز تلاقی کہا گیا ہے۔

۲۔ اس لیے کہ باطن آشکار اور حقائق مخفیہ ظاہر ہوں گے اس کو یوم تبلی السرائر و یوم نشور کہا جاتا ہے۔

۳۔ اس لیے کہ اس کیلئے فنا نہیں اور ہمیشہ کے لیے ہے اسے یوم الخلود کہا جاتا ہے۔

۴۔ اس لیے کہ انسان حسرت و یاس کی حالت میں ہوں گے۔ غبن و نقص کے احساس میں مبتلا ہوں گے اس کو یوم حسرۃ یا یوم تغابن کہا گیا ہے۔

اور چونکہ یہ بزرگترین حادثہ و خبر ہے اس لیے اس کو نباءِ عظیم بھی کہا گیا ہے۔

زندگی جہان دنیا و زندگی جہان آخرت میں

ایک بنیادی و اساسی مطلب جس کی طرف قرآن نے ہمیں متوجہ کیا ہے۔ دونوں زندگیوں میں پیوستگی و ربط ہے۔ یہ دونوں زندگیاں ایک دوسرے سے جدا نہیں۔

زندگی آخرت کا بیج انسان دنیا میں خود کاشت کرتا ہے۔ حیات اخروی کا سرمایہ خود انسان کے وسیلہ سے زندگی دنیا میں معین ہوتا ہے۔

ایمان و اعتقاد پاک۔ اعتقاد مطابق واقع، اخلاق عادت ہائے پاکیزہ و انسانی، برائت از حسد۔ کینہ۔ مکر و فریب اور دھوکہ اور اسی طرح اعمال صالحہ جو موجب کمالِ فرد و اجتماع ہیں مثلاً خدمت خلق۔ اخلاص بدون ریاء یہ سب امور سعادتمندی و زندگی جاوید کا سبب ہیں

لیکن اس کا عکس یعنی بے ایمانی۔ بے اعتقادی۔ غلط روش۔ اخلاق و عادتہائے بد خود خواہی۔ خود پرستی۔ خود بینی و تکبر۔ ظلم و ستم۔ ریاکاری۔ سود خوری۔ جھوٹ۔ تہمت۔ خیانت غیبت و گلہ۔ چغل خوری۔ فتنہ و فساد، عبادت خدا سے کنارہ کشی اور پرستش خدا سے دوری یہ سب امور آخرت میں انسان کی شقاوت و بدبختی کا سبب ہیں۔

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بڑی اچھی تعبیر کی ہے۔

الدنیا مزرعة الاخرة۔ دنیا آخرت کی کھیتی ہے۔

بدی یا نیکی جو تخم بھی دنیا میں کاشت ہوگا۔ آخرت میں وہی نتیجہ کے طور پر ملے گا (جو بوؤ گے وہی کاٹو گے)

جیسا یہ محال ہے کہ انسان جو کاشت کرے اور گندم اٹھائے خار دکانٹے کاشت کرے اور پھول چنے حنظل کاشت ہو اور درخت خرما سبز پیدا ہو جائے۔ اسی طرح یہ بھی محال ہے کہ دنیا میں انسان بدخیال، بداخلاق اور بدکردار ہو اور آخرت میں نفع حاصل کرے۔

اعمال کی جاودانی اور تجسم (جسمیت)

قرآن کریم اور رہبران دین کے فرامین سے مستفاد ہوتا ہے کہ نہ فقط انسان باقی اور جاوداں ہے بلکہ اس کے اعمال و آثار بھی محفوظ ہوں گے اور ختم نہیں ہوں گے۔

انسان نشأۃ قیامت میں اپنے تمام اعمال و آثار کو مصور و مجسم دیکھے گا اور مشاہدہ کرے گا۔

اچھے اعمال و آثار صورتِ زیبا و لذت بخش جسم میں ہوں گے اور موجب لذت و رونق ہوں گے مگر برے اعمال، بدصورت، وحشتناک، مہیب و اذیت ناک جسمیت میں ہوں گے اس سے درد و رنج و عذاب ہوگا۔ [۱]

اس سلسلے میں ہم قرآن کریم کی تین آیات اور دو احادیث کے بیان پر اکتفا کرتے ہیں:

۱۔ یوم تجد کل نفس ما عملت من خیر محضرا و ما عملت من سوء تود لو ان بینہا و بینہ امدا بعیدا [۲]

وہ دن جب انسان اپنے نیک کام کو اپنے سامنے حاضر دیکھے گا۔ اسی طرح بد کام کو بھی۔ وہ چاہے گا کاش اس کے اور برے کام کے درمیان زیادہ فاصلہ ہوتا۔

اس آیت میں صراحت ہے کہ انسان اپنے نیک کام کو بعینہٖ مطلوب و محبوب صورت میں دیکھے گا اور اپنے برے کام کو بعینہٖ ایسی صورتوں میں دیکھے گا جن سے اس کو نفرت و وحشت ہوگی۔ چاہے گا کہ اس سے فرار کر جائے یا اس صورت کو اس سے دور کیا جائے لیکن اس جگہ جائے فرار

---

[۱] مزید تفصیل کے لیے عدل الٰہی بحث معاد کی طرف رجوع کیا جائے۔

[۲] آل عمران / ۳۰۔

یا عمل انسان کو انسان سے جدا نہیں کیا جا سکے گا۔ عمل حاضر بصورت جسم بمنزلہ جزو وجود انسان سمجھا جائے گا جو جدا ہونے کے قابل نہیں۔

۲۔ ووجدوا ما عملوا حاضرا ط

دنیا میں انجام دیئے ہوئے ہر عمل کو اپنے سامنے حاضر دیکھیں گے۔

اس آیت کا ماحصل و معنیٰ بعینہ پہلی آیت والا ہے۔

۳۔ یومئذٍ یصدر الناس اشتاتا لیروا اعمالھم فمن یعمل مثقال ذرۃ خیرا یرہٗ ومن یعمل مثقال ذرۃ شرا یرہٗ ۔ ؎۲

اس دن انسان باہر آئیں گے تاکہ نمائش گاہ عمل میں اس کے اعمال اس کو دکھائے جائیں۔ جس نے ذرہ برابر نیک کام انجام دیا ہے۔ قیامت میں دیکھے گا اور جس نے ذرہ برابر برا کام انجام دیا ہے اس کو بھی اس جگہ دیکھے گا۔

انسان باقی و دائمی ہے۔ انسان کے اعمال و آثار بھی قائم و باقی اور جاوید ہیں۔

آخرت میں انسان کی زندگی دنیا میں اس کے اخلاق اعمال و آثار کی زندگی ہوگی۔ زندگی اخروی میں اس کے اعمال و آثار اس کا اچھا یا برا سرمایہ اور نیک یا بد ساتھی ہوں گے۔

احادیث مبارکہ

(۱) مسلمانوں کا ایک گروہ کافی دور سے خدمت رسالتؐ میں مشرف ہوا اور نصیحت کی خواہش کی۔ رسول اکرمؐ کے چند جملات میں سے ایک جملہ یہ ہے کہ:

"ابھی سے آخرت کے لیے اچھے رفقاء و مصاحب کا انتخاب کیجئے۔

؎۱ کہف/ ۴۹ ؎۲ زلزال/ ۶-۸

اس لیے کہ عالمِ آخرت میں انسان کا کردار و اعمال ہی بصورت جسم اُس کے مصاحب و ساتھی ہوں گے ۔۱؎

حیاتِ جاوید کا قائل انسانِ مومن اپنے خیالات ، اخلاق و عادات ۔ اعمال و رفتار کو بہ کمال دقت سمجھ رہا ہے کہ یہ چیزیں ایسی نہیں کہ آئیں اور چلی گئیں بلکہ یہ فرستادہ انسان بہ جہانِ آخرت ہیں اسی سرمایہ سے عالمِ آخرت میں زندگی گذارنی ہوگی ۔

اِس جہاں اور اُس جہاں کی زندگی میں مشترک و مختلف وُجوہ

امورِ مشترکہ ۔ دونوں زندگیاں حقیقی و واقعی ہیں انسان اپنے اور اپنی متعلقہ چیزوں سے آگاہ ہے ۔ دونوں زندگیوں میں لذت و تکلیف ، خوشی و غمی ، سعادت و شقاوت ہے ۔ جبلت و سرشت خواہ حیوانی ہو یا انسانی دونوں جگہ کارفرما ہے ۔ ہر دو جگہ انسان اپنے بدن قدوقامت اور اعضاء و جوارح کے ساتھ زندگی گذارے گا ۔ ہر دو زندگیوں میں فضا و اجرامِ فلکی ہوں گے ۔

امورِ مختلفہ و متفاوتہ : اس جگہ سلسلہ توالد ۔ تناسل ۔ بچپنا ۔ جوانی ۔ بڑھاپا اور موت ہے وہاں نہیں ۔ اس جگہ ضروری ہے کہ کام کرے ۔ تخم ڈالے ۔ اسباب مہیا کرے اُس جگہ تخم کا نتیجہ حاصل کرے گا اور اسی سے نفع حاصل کرے گا ۔ یہ جگہ جائے عمل کا ہے اور وہ عالم جائے نتیجہ و حساب

۱؎ اپنے ہاتھ کے لکھے ہوئے نسخہ میں آیتاللہ کو مطلع کیا گیا ہے کہ آپ نے باقی احادیث نہیں لکھیں جبکہ عنوان "احادیث مبارکہ ہے" فرمانے لگے بجا کہا ہے آپ نے اور بقیہ مطلب لکھنے کا ارادہ کیا لیکن افسوس ——

دنیا میں انسان کی طرف سے عمل و حرکت کی بدولت سرنوشت و مقدر کی تبدیلی کا امکان ہے آخرت میں نہیں ۔

دنیا میں موت و حیات کی آمیزش ہے۔ حیاتِ مادہ کا لازمی نتیجہ فقدان حیات ہے علاوہ ازیں مردہ سے زندہ و زندہ سے مردہ کا ظہور ہوتا ہے۔ جیسا کہ بے جان مادہ خاص شرائط کے ساتھ جاندار میں، اور جاندار بے جان میں تبدیل ہو جاتا ہے مگر آخرت میں زندگی محض کارفرما ہے۔ مادہ و جسم بھی جاندار ہے۔ زمین و آسمان بھی جاندار۔ باغ و میوہ مثل تجسم یافتہ اعمال و آثار انسان بھی جاندار ہیں۔ آگ و عذاب بھی ذی شعور و آگاہ ہوں گے۔

دنیا میں اسباب و علل زمانی و شرائط خاص کی حکمرانی ہے۔ حرکت و کمالیت کا وجود ہے مگر عالم آخرت میں ملکوت الٰہی و ارادہ الٰہی کا ظہور ہے۔ شعور و آگاہی اور بطور مطلق دیکھنا و سننا و ادراک دنیا کے ادراک سے زیادہ طاقت ور ہے۔ بہ عبارت دیگر پردے و حجاب عالم آخرت میں انسان کے سامنے سے اٹھائے جائیں گے۔ انسان اپنی دانش و بینش کی بدولت حقائق کا درک کر رہا ہوگا۔ جیسے قرآن کریم میں ہے۔

فکشفنا عنک غطاءک فبصرک الیوم حدید[1]

ہم نے پردے تجھ سے اٹھا لیے ہیں۔ پس آج تیری نظر خوب تیز ہے۔

اس دنیا میں خستگی و ملال کی کارفرمائی ہے۔ خصوصاً یک رنگی سے۔ انسان ہر وقت کسی گم گردہ کی تلاش میں سرگرداں ہے۔ جب کوئی چیز مل جائے تو خیال کرتا ہے مقصود مل گیا ہے خوش ہو جاتا ہے مگر پھر جب احساس ہوتا ہے کہ یہ وہ نہیں جو مطلوب تھا تو دلگیر ہو جاتا ہے۔ پھر کسی شئی کی طلب میں لگ جاتا ہے گویا دنیا میں انسان ہر وہ چیز جو اس کے پاس نہیں اس کا

---

[1] ق / ۲۲

طالب اور جویا ہے اس کے بارے میں فکر مند ہے مگر جہانِ اُخروی میں چونکہ دل کی گہرائیوں سے جس کو چاہتا تھا اور جسے اپنی گم شدہ متاعِ حقیقی سمجھتا تھا یعنی "زندگی جاوید۔ بارگاہ رب العالمین" اس کو پالیا ہے۔ اب ملال و خستگی و پریشانی پیدا نہیں ہوگی۔ قرآن کریم اسی نکتہ کی طرف اشارہ کر رہا ہے۔

لا یبغون عنھا حولا۔ [1]

یعنی (برخلاف دنیا) آخرت میں انسان دگرگون و وضع جدید کے طالب نہیں ہوں گے اہل بہشت ہمیشہ بہشت ہی میں رہیں گے۔ کبھی سیر نہیں ہوں گے۔

علاوہ ازیں وہاں جو چیز چاہیں گے ارادۂ الٰہی سے اسی وقت پیدا ہو جائے گی۔ لہذا جو چیز پاس نہیں اس کی آرزو نہیں ہوگی (آرزو موجب آزار و تکلیف نہیں ہوگی)۔

قرآنی استدلال

قیامت پر ایمان و اعتقاد کا سرچشمہ قرآن کریم و گفتار انبیاء ہے۔ لازم نہیں کہ اس پر استدلال قائم کیا جائے یا شواہد قرآن علمی ہم بیان کریں۔ مگر چونکہ قرآن کریم نے (مطلب کے اذہان کے قریب کرنے کے لیے) ایک سلسلہ استدلال شروع کیا ہے اور چاہتا ہے کہ ہمارے اذہان از روئے استدلال قیامت کا اعتقاد پیدا کریں۔ ہم بھی مختصراً ان دلائل کو ذکر کرتے ہیں۔ قرآنی استدلال در حقیقت منکرینِ قیامت کے اشکالات کا جواب ہیں بعض میں بیان ہے کہ وجود قیامت سے کوئی مانع و رکاوٹ نہیں۔ یہ در حقیقت ان کا جواب ہے جو قیامت کو امرِ ناممکن سمجھتے تھے۔

---

[1] کہف / ۱۰۸

بعض آیات "اس سے ایک درجہ بالا" ذکر ہے کہ دنیا میں قیامت کے مشابہ چیزوں کا وجود ہے ان کو دیکھ کر انکار کا کوئی جواز نہیں ہے۔

بعض آیات "اس سے ایک درجہ اور بالا" وجود قیامت کو امر لازم ضروری اور خلقت حکیمانہ کا ایک نتیجہ قطعی قرار دے رہی ہیں۔ گویا تمام آیات قیامت کو ۳ حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

۱۔ سورہ یسین آیہ ۷۸ / ۷۹

وضرب لنا مثلاً ونسی خلقہ قال من یحیی العظام وھی رمیم قل یحییھا الذی انشأھا اول مرۃ وھو بکل خلق علیم۔

اب وہ ہم پر مثالیں چسپاں کرتا ہے۔ اپنی پیدائش کو بھول گیا ہے کہتا ہے ان بوسیدہ ہڈیوں کو کون زندہ کرے گا۔ اس سے کہو انہیں وہی زندہ کرے گا جس نے پہلے انہیں پیدا کیا تھا وہ تخلیق کا ہر کام جانتا ہے۔

یہ آیت اس کافر کے جواب میں ہے جس نے بوسیدہ ہڈی کو اپنے ہاتھ میں لیا۔ نرم کر کے پوڈر کی صورت بنا کر ہوا میں متفرق کر دیا اور کہا ان ذرات پراگندہ کو کون زندہ کرے گا۔ قرآن جواب میں فرما رہا ہے وہی جس نے پہلی بار اسے پیدا کیا۔ انسان کبھی اپنی قدرت و توانائی کو معیار بنا کر کسی چیز کے ممکن و ناممکن ہونے کا فیصلہ کرتا ہے۔ جب چیز کے ماوراء قدرت کا تصور کرتا ہے تو کہتا ہے یہ کبھی نہیں ہو سکتا۔ قرآن کہہ رہا ہے۔ بشری قدرت البتہ اس چیز پر قادر نہیں لیکن اس ذات کی قدرت کاملہ جس نے پہلی بار جسم مردہ میں زندگی کو پیدا کیا۔ اس کے لحاظ سے اس کی قدرت کو مدنظر رکھتے ہوئے یہ امر ممکن و قابل انجام ہے۔

قرآن کریم کی کافی آیات میں خدا کی قدرت کاملہ کا لحاظ کرتے ہوئے (قیامت سے

بحث کی گئی ہے۔ تمام آیات کا مفاد ہے کہ قیامت کا وجود خدائے عادل و حکیم کی مشیت کا اقتضاء ہے اور اس کی مشیت کی راہ میں کوئی مانع بھی نہیں جیسا کہ پہلی بار معجزۂ حیات و خلقت اس مشیت سے سرزد ہوا۔ جہان، انسان اور حیات کو وجود دیا دوسری مرتبہ بھی قیامت میں انسان کو زندہ کرے گا۔

۲۔ آیات جن کا ذکر بطور نمونہ ہے۔ یہ آیات بذات خود دو حصوں میں تقسیم ہیں۔

الف : آیات جن میں ایک خاص واقعہ کا ذکر ہے۔ جس میں مردہ زندہ ہوا جیسا کہ حضرت ابراہیمؑ کے قصے میں ہے۔ پروردگارا تو مردہ کو کس طرح زندگی دیتا ہے۔ میں دیکھنا چاہتا ہوں فرمایا۔ کیا اس پر تیرا ایمان نہیں! کہا! کیوں نہیں! ایمان تو ہے۔ اطمینان قلب کا خواہش مند ہوں کہا گیا چار پرندے لے کر ان کا سر قلم کر دو۔ بدن کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے پہاڑوں پر رکھ دو۔ پرندوں کو بلاؤ۔ دیکھو گے کس طرح زندہ ہو کر تیرے پاس آ رہے ہیں۔

ب : ایسی آیات جن میں کسی امر خارق العادۃ (جیسے واقعہ ابراہیمؑ) کا ذکر نہیں۔ بلکہ نظام موجود کی طرف متوجہ کیا گیا ہے۔ زمین میں گھاس موسم خزاں و سرما میں مردہ ہو جاتا ہے پھر موسم بہار میں اسے زندگی ملتی ہے (فرمان ہے) طول عمر میں بارہا آپ مشاہدہ کر رہے ہیں کہ زمین تر و تازگی شادابی کے بعد مردہ ہو جاتی ہے۔ اس پر افسردگی چھا جاتی ہے۔ پھر موسم کی تبدیلی و فضا کے تغیر سے درخت اور گھاس اپنی حیات نو کا جامہ پہن لیتے ہیں۔

ایسے ہی تمام جہاں کا نظام۔ یہ عالم خاموشی اور افسردگی کی طرف چلا جائے گا۔ سورج، ستارگاں سب ریزہ ریزہ و پراگندہ ہو جائیں گے۔ تمام جہاں موت کی آغوش میں ہوگا۔ لیکن یہ موت دائمی نہیں۔ دوسری دفعہ نئی وضع و جدید کیفیت کے ساتھ زندگی ملے گی۔

توضیح : ہم انسان اس دنیا میں زندگی گزار رہے ہیں۔ ۳۶۵ دن میں موت و حیات کا ایک دورہ طے ہوتا ہے چونکہ معمولاً ہماری عمر ۶۵ - ۱۰۰ سال یا اس سے کچھ زیادہ ہوتی ہے۔

بارہا نظام موت و حیات کا مشاہدہ کرنے کی وجہ سے کہ زمین مردہ ہونے کے بعد پھر زندہ ہوتی ہے ہمیں تعجب نہیں ہوتا حیرانگی نہیں ہوتی اگر فرض کریں کہ انسان کی عمر چند ماہ ہوتی، جیسے بعض حشرات الارض کی ہے۔ بالفرض علم سے خالی ہوتے۔ تاریخ زمین اور گردش سالانہ سے آگاہ نہ ہوتے۔ زمین کی موت اور تجدید حیات کا مشاہدہ نہ کیا ہوتا۔ پھر ہمیں اگر کوئی کہتا کہ زمین مردہ ہونے کے بعد زندہ ہوگئی ہے تو ہم کبھی باور نہ کرتے۔ مثلاً ایک مچھر جو موسم بہار میں پیدا ہوتا ہے۔ خزاں و سرما میں مر جاتا ہے۔ جدید زندگی کا تصور کیسے کر سکتا ہے۔ کیا درخت میں کیڑا اور ایک باغ میں مچھر جس کی تمام دنیا یہی درخت و باغ ہے تصور کر سکتا ہے کہ یہ باغ ایک عظیم تر نظام کی جزء و تابع ہے جس کا نام مزرع و کھیت ہے کہ اس کا مقدر کھیت کے مقدر سے وابستہ ہے۔

اور یہ کھیت و مزرعہ ایک نظام کے تابع ہے جس کا نام شہر ہے۔ یہ شہر گورنر کے تابع ہے۔ گورنری کا نظام تابع مملکت ہے۔ نظام مملکت تابع نظام زمین ہے۔ نظام زمین تابع نظام سورج و حرکت سورج ہے۔

ہمیں کیا معلوم۔ شاید یہ نظام شمسی۔ ستارگاں و کہکشاں اور جو کچھ بھی ہے جسے نظام طبعی سے ہم تعبیر کرتے ہیں ایک اور نظام کل تر کے تابع ہو۔ لکھو کھہا اور کروڑھا سال جن کا ہمیں علم ہے بمنزلہ ایک موسم کے ہوں یا نظام کل کی ایک فصل و موسم کے ایک دن کی مانند ہوں۔ زندگی کا زمانہ خاموشی و افسردگی میں تبدیل ہو جائے۔ پھر یہ نظام کل ترکہ تمام نظام شمسی ستارگان کہکشاں اس کی ایک جزء ہیں حیات و زندگی کو نئے سرے سے حاصل کرے۔ کیا یہ ممکن نہیں؟

انبیاء و رسل نے تمام جہاں کی بربادی و خرابی کے بعد زمین میں ایک حشر و نئی زندگی کی خدا کی طرف سے خبر دی ہے چونکہ متعدد دلائل سے ہمیں ان کی سچائی کا علم ہے اس لیے تمام عالم کی تباہی کے بعد تجدید حیات و نئی زندگی کا بھی اعتراف کرتے ہیں۔

قرآن کریم زمین کی موت وحیات کو ہمارے سامنے بطور مثال پیش کررہا ہے کہ ہم اسے موت وحیات کا ایک نمونہ سمجھیں۔ قیامت کو اس مجموعی نظام پیدائش سے خارج نہ سمجھیں قرآن کا فرمان ہے۔

قیامت نئی زندگی کا نام ہے۔ تجدید حیات کا نمونہ زمین میں ہم دیکھ رہے ہیں۔

پیغمبر اکرمؐ کا فرمان ہے۔

اذا رایتم الربیع فاکثروا ذکر النشور

جب موسم بہار کو دیکھو تو قیامت کا ذکر زیادہ کرو۔

یعنی موسم بہار قیامت کی ایک روشن مثال ہے۔

مولوی کہتا ہے :

این بہار نو لبعد برگ ریز	ہست برہان بر وجود رستخیز !
آتش و باد ابر وآب و آفتاب	رازہا را می برآرند از سر آب
در بہاران سرہا پیدا شود !	ہرچہ خورد است این زمیں رسوا شود
بر دمد آں از دہان و از لبش	تا پدید آید ضمیر و مذہبش !
راز ھا را می کند حق آشکار	چوں بخواہد رست تخم بدھکار

دیوان شمس میں مولوی لکھتا ہے ،

فرو شدن چو بدیدی بر آمدن بنگر	غروب شمس و قمر را چرا زیان باشد
کدام دانہ فرو رفت در زمین کہ نرست	چرا بہ دانہ انسانت این گمان باشد

جن آیات میں نظام موت وحیات کو ذکر کیا گیا ہے، کافی تعداد میں ہیں، منجملہ

۱۔ واللہ الذی ارسل الریاح فتثیر سحابا فسقناہ الی بلد میت نا حیینا بہ الارض بعد موتھا کذلک النشور[1]

خدا وہ ہے جس نے ہواؤں کو بھیجا۔ بادل کو پراگندہ ودگرگوں کیا۔ پس اس بادل کو مردہ زمین کی طرف ہم لے گئے اور زمین مردہ کو زندہ کیا۔ قیامت میں زندہ ہونا اسی طرح ہے۔

۲۔ وتری الارض ھامدۃ فاذا انزلنا علیھا الماء اھتزت وربت وانبتت من کل زوج بھیج ذلک بان اللہ ھو الحق وانہ یحیی الموتیٰ وانہ علی کل شیئ قدیر وان الساعۃ آتیۃ لاریب فیھا وان اللہ یبعث من فی القبور[2]

زمین کو دیکھ رہے ہو کہ افسردہ ومردہ اور ساکن ہے۔ جب بارش ہم نے برسائی پس حرکت میں آئی جنبش پیدا ہوئی اور ہر قسم کے گھاس پیدا ہوئے۔ یہ اس لیے ہے کہ ذات خدا برحق ہے۔ وہی مردگاں کو زندہ کرتا ہے اور وہی ہر شے پر قادر ہے۔ قیامت بدون شک آنے والی ہے۔ قبر میں رہنے والوں کو خدا اٹھائے گا۔ وہ آیات جن میں اس عالم کے نظام موت وحیات سے (جس کا نمونہ ہم زمین میں دیکھ رہے ہیں) قیامت کو خارج نہیں سمجھا گیا۔ ان کی تعداد زیادہ ہے۔ ہم نے فقط دو پر اکتفا کی ہے۔

ان آیات کا دیگر آیات سے فرق یہ ہے کہ ان میں فقط قدرت خدا پر ہی تکیہ نہیں کیا گیا بلکہ اس جہان محسوس میں اس کے مشابہ کا بھی ذکر کیا گیا ہے جس میں قدرت خدا کا جلوہ اسی صورت ظہور پذیر ہے۔

---

[1] فاطر/۹ [2] الحج/۵تا۷

گروہ سوم : وہ آیات جن میں قیامت کو امر حتمی و ضروری قرار دیا گیا ہے۔

قیامت کا نہ ہونا ذات خداوندی کی بہ نسبت امر محال ہے۔

اس مطلب کو دو راہ و طریق سے بیان کیا گیا ہے۔

راہ عدل الہی : خداوند عالم اپنی ہر مخلوق کو وہی کچھ عنایت کرتا ہے جس کی وہ مستحق ہے۔

راہِ حکمت : خداوند عالم نے مخلوق کو ایک ہدف و مقصد کے لیے پیدا کیا ہے۔ حکمتِ الہی کا تقاضا ہے کہ موجوداتِ عالم کو ان کے کمال لائق و غایت ممکن کی طرف لے جائے۔ قرآن کریم کہتا ہے۔

قیامت، زندگی جاوید سعادت دائمی اور سزا و کیفر اخروی کا نہ ہونا ایک قسم کا ظلم و ضد عدلِ خداوندی ہے اور ظلم کی نسبت خداوند عالم کی طرف محال ہے۔ نیز قرآن کہتا ہے۔

اگر زندگی جاوید و حیات ابدی نہ ہو تو خلقت عبث و بلا فائدہ ہے کار عبث خدا کے لیے محال ہے۔

وہ آیات جن کی استناد عدل الہی و حکمت خداوندی پہ ہے جن میں رجوع بہ خداوزندگی جاوید کو امر حتمی قرار دیا گیا ہے۔ ان کی تعداد بہت زیادہ ہے۔

اب ہم دو سورتوں کی دو آیات کا ذکر کرتے ہیں جن میں عدل الہی و حکمت خداوندی دونوں کا ذکر ہے۔

(۱) سورہ مبارکہ ص : اس مطلب کے ذکر کے بعد ــــــ جو لوگ راہ خدا سے منحرف ہیں اور سزا کو بھول چکے ہیں۔ ان کے لیے سخت عذاب ہوگا۔ ایہ ۲۷ و ۲۸ میں روز قیامت کا ذکر اس طرح ہے۔

وما خلقنا السماء والارض وما بینھما باطلا ذلك

ظن الذین کفروا فویل للذین کفروا من النار ام نجعل الذین آمنوا وعملوا الصالحات کالمفسدین فی الارض ام نجعل المتقین کالفجار۔

ہم نے آسمان و زمین کو بلا فائدہ پیدا نہیں کیا۔ یہ خیال (کہ خلقت بلا فائدہ ہے) ان لوگوں کا ہے جن کو حقیقت سے عناد ہے۔ ویل ہے ان لوگوں کیلئے جو دوزخ کے منکر ہیں، کیا ہم ان لوگوں کو جو (خدا معاد و انبیاء) پر ایمان لاتے ہیں۔ اچھے کام انجام دیتے ہیں مثل تباہکاروں کے قرار دیں گے؟ یا پرہیزگاروں کو بدکاروں کی طرح سمجھیں گے؟

جیسا کہ ہم دیکھ رہے ہیں۔ پہلی آیت میں خدا کا حکیم اور خلقت کا حکیمانہ ہونا مذکور ہے اور دوسری آیت میں عدلِ الٰہی اور خلقت کے عادلانہ ہونے کا بیان ہے۔

(۲) سورۃ مبارکہ جاثیہ۔ آیت ۲۱ / ۲۲ میں اس طرح ہے۔

ام حسب الذین اجترحوا السیأت ان نجعلھم کالذین آمنوا وعملوا الصالحات سواء محیاھم ومماتھم ساء ما یحکمون۔ وخلق اللہ السموٰت والارض بالحق ولتجزی کل نفس بما کسبت وھم لا یظلمون۔

کیا بدکاروں کا یہ گمان ہے کہ ہم انہیں ایماندار اور اچھے کام کرنے والوں کی طرح قرار دیں گے جبکہ ان کی زندگی و موت یکساں ہے۔ ان کا یہ حکم برا فیصلہ ہے۔ خدا نے آسمانوں و زمین کو حق (نہ باطل و بلا فائدہ) پیدا کیا ہے اس لیے کہ ہر شخص اپنے کیے (جزا و سزا) تک پہنچ جائے۔ ان پر ظلم کبھی بھی نہیں ہوگا۔

دو آیات میں سے پہلی میں عدل الٰہی اور دوسری میں حکمتِ خداوندی کی طرف اشارہ ہے۔ دوسری آیت کے ذیل میں دوسری مرتبہ عدل الٰہی (قیامت کا ہدف و غایت ہے) کا ذکر ہے۔

توضیح : عدل الٰہی و حکمت خداوندی کا تقاضا وجود قیامت کیوں ہے۔

ہم چاہتے ہیں اس کی وضاحت کریں اور یہ کہ اگر اس زندگی محدود کے بعد زندگی جاوید نہیں (جس میں ہر شخص اپنے اعمال و کردار کے نتیجہ کو حاصل کرلے) تو پھر جہان و انسان کی خلقت عدلِ الٰہی و حکمتِ خداوندی کی رو سے بلا فائدہ ہے۔

عدلِ الٰہی : اپنے وسیع تر مفہوم کے لحاظ سے مساوی بہ عدالت ہے یعنی صاحبان حق کو ان کا حق بغیر کسی تفریق کے دے دینا۔ اگر کسی کو بھی حق نہ دیا جائے تو خلافِ عدالت۔ اگر بعض کو دیا جائے اور بعض کو نہیں تو بھی خلاف عدالت ہوگا۔

اگر استاد وقتِ امتحان سب طلباء کو ان کے حق سے کم نمبر دے تو خلاف عدالت کام کیا ہے۔ اگر بعض کو ان کے استحقاق کے مطابق اور بعض کو کم تب بھی خلافِ عدالت و انصاف ہے۔

عدالت : ایک لحاظ سے۔ لازمہ مساوات ہے۔

مساوات : یعنی سب کو ایک نظر سے دیکھنا۔ تفریق و فرق کا قائل نہ ہونا ایسی مساوات کا لازمہ عدالت ہے۔ یعنی :

جو جتنی مقدار کا استحقاق رکھتا ہے اتنا دیا جائے اگر زیادہ کا استحقاق رکھتا ہے تو زیادہ دیا جائے کم کا استحقاق رکھتا ہے تو کم دیا جائے۔ اس میں تفریق و تبعیض بالکل نہ ہو۔

اگر مساوات و برابری سے مراد اعطاء (دینے) میں برابری ہو کہ استحقاق و درجات استحقاق کی رعایت کے بغیر تمام افراد کو برابر دیا جائے۔ ایسی مساوات خلاف عدالت اور لازمہ ظلم ہے، اسی طرح نہ دینے میں سب میں برابری بھی ظلم ہے یعنی سب کے سب (مستحق و غیر مستحق) بغیر کسی تبعیض کے جس چیز کا استحقاق رکھتے ہیں انہیں نہ دی جائے (تو یہ بھی ظلم ہے) پس عدلِ الٰہی کا معنی یہ ہے کہ موجودات ہستی واخذ فیض اپنی حسب قابلیت و درجہ کے قائل ہیں اسی کے مطابق خالق ہر موجود کو دینے سے دریغ نہ کرے۔

کوئی موجود جب کوئی چیز نہیں رکھتا یہ دلیل ہوگی کہ یہ موجود امکان و قابلیت کی جو شرائط تھیں ان سے خالی ہے۔

اب ہم کہتے ہیں کہ اگر بعض موجودات قابلیات وامکانات کے واجد ہوں تو خداوند عالم کا ان کو کمال لائق کے افاضہ میں دریغ خلافِ عدلِ الٰہی متصور ہوگا بلکہ مقتضائے عدالت یہ ہے کہ ہر مستحق کو اس کے استحقاق کے مطابق فیض پہنچنا چاہئے۔

تمام موجودات کے مابین انسان ایسا ہے جس میں قابلیت استعداد و صلاحیت ہے۔ قوتِ انگیخت بھی ہے جو کام وفعالیت پراسے وادار کرتی ہے اور یہ طاقتیں حیوان میں نہیں۔

غریزہ وجبلت حیوانی اس کو صرف طبیعت و زندگی مادی سے مربوط کرتی ہے لیکن انسان (جیسا کہ پہلے کہا ہے) ایسی سرشت و جبلت کا مالک ہے جو فقط اس دنیا کے لئے مناسب نہیں بلکہ اس کی سطح بالا ہے۔ یعنی وہ جاودانی ہے اور ورائے سطح جاودانی ہے۔

انسان میں نمو وانگیخت عالی موجود ہے یعنی بعث ونمو اخلاق، علمی، ذوقی، مذہبی و الٰہی۔ بہت سارے کام انسان ان چیزوں کے اثر کی وجہ سے کرتا ہے۔ کبھی کبھی اپنی طبیعی و مادی حیوانی زندگی ان اہداف عالیہ پر فدا کر دیتا ہے۔

انسان (قرآنی تعبیر کے مطابق) اپنے عملی نظام کو ایمان وعمل کی اساس و بنیاد قرار دیتا ہے۔ اس نظام عمل میں حیات جاوید اور خوشنودی خدا کا طالب ہے۔

انسان میں زندگی جاویدہ کا عظیم تصور بھی ہے اور اس کی آرزو اور ایسے غریزے بھی جو انسان کو اس کی طرف کشاں کشاں لے جاتے ہیں۔

یہ سب چیزیں انسان میں زندگی جاوید کی قابلیت واستعداد کی حکایت کررہی ہیں بہ عبارت دیگر سب چیزیں حکایت ہیں اس بات کی کہ انسان مجرد وغیرمادی روح کا دارا ہے۔

یہ سب امور اس دنیا میں انسان کو بمنزلہ جنین قرار دے رہے ہیں کہ رحم مادر میں

وہ ایک سلسلہ تجہیزات کے ساتھ مجہز ہے۔ اس میں جہاز تنفس، گردش خون، اعصاب دیکھنے سننے کا آلہ، سلسلہ تناسل کی صلاحیت، حالانکہ یہ سب چیزیں بعداز خروج رحم دنیا کے لیے ہیں۔ رحم کی زندگی اور ۹ ماہ رحم میں ان کا کوئی فائدہ نہیں

(گویا رحم میں ایسی قوتیں دی گئی ہیں جو مابعد رحم (دنیا) میں مفید ہیں) یہ درست ہے کہ انسان دنیاوی زندگی میں نظام ایمان وعمل صالح سے فائدہ اٹھاتا ہے لیکن یہ فائدہ تبعی ہے "نظام ایمان وعمل صالح" ایک بیج وتخم کے حکم میں ہیں جو حقیقتاً زندگی جاویدمیں قابلِ پرورش ہیں۔ یعنی زندگی جاوید ہی کے لیے ان کا مفہوم ومعنی صحیح واضح ہوگا۔

انسان نہ فقط نظام ایمان وعمل خیر میں ماوراء طبیعت پرواز کررہا ہے اور روابط مادی سے مافوق تخم پاشی کررہا ہے بلکہ نظامِ مخالف ایمان وعمل صالح (جسے قرآن نظام کفر وفسق کہتا ہے) میں بھی اس کے کام حدود طبیعت سے ماوراء، احتیاجات بدنی وروابط طبعی سے خارج ہیں جنبہ روحی وجاودانی لیے ہوتے ہیں۔ لیکن بہ صورت انحراف .... اس لیے حیات جاوید کا مستحق ہے لیکن متاسفانہ اس نے اپنے لیے درد ورنج یا بہ اصطلاح دینی جہنم اختیار کرلی ہے۔

انسان ایسا نہیں کہ اگر ایمان وعمل صالح کے مدار میں حرکت نہ کرے تو اپنے کو مثل حیوان محدود کرے گا بلکہ یہ صفر سے بھی پست تر ہوگا۔ قرآنی زبان میں "بل ھم اضل" حیوان سے بھی پست تر وگمراہ ہوگا۔

اگر زندگی جاوید ودائمی کا تصور نہ ہو تو پھر وہ انسان جو نظام ایمان وعمل صالح کے ماتحت چل رہے ہیں اور وہ انسان جو نظام ضد ایمان وضد عمل صالح پر کاربند ہیں۔ مثل ان شاگردوں کے ہوں گے کہ جن میں سے بعض نے اپنے کام کو احسن طریقے سے انجام دیا ہے اور بعض لہو ولعب میں مشغول رہے ہیں اب استاد چاہے کہ سب کو نمبروں سے محروم کردے تو یہ محرومیت ظلم وخلاف عدل ہوگی۔

اس مطلب کو سادہ الفاظ میں بھی ذکر کیا جاسکتا ہے وہ یہ ہے کہ خدا نے لوگوں کو ایمان و نیک بننے کی دعوت دی ہے۔ لوگ اس لحاظ سے دو گروہوں میں تقسیم ہو گئے ہیں۔ بعض نے اس دعوت کو قبول کیا اپنے نظام فکری و اخلاقی اور اپنے عمل کو اس کے مطابق کیا بعض نے قبول نہ کیا۔ بدکاری میں پڑ گئے۔

دوسری طرف سے اگر دیکھیں تو ایسا نہیں کہ اس جہاں میں نیکوکار کو صد در صد جزا اور بدکار کو صد در صد سزا مل جائے۔ بلکہ بعض ایسے نیکوکار ہیں کہ اس دنیا سے بدون جزا چلے گئے پس ایسے جہان کا وجود ضروری ہے جہاں نیک لوگوں کو ان کی نیکی کی جزا کامل اور بدکاروں کو بدی کی سزا کامل ملے وگرنہ یہ برخلاف عدلِ الٰہی ہوگا۔

حکمتِ الٰہی اور وجودِ الٰہی میں ربط

انسانوں کے کام دو قسم کے ہیں۔

(۱) **بلا فائدہ و عبث کام:** جن کا کوئی نتیجہ نہیں۔ یعنی کمالات تک پہنچنے میں ہماری صلاحیت و استعداد میں ان کا کوئی اثر نہیں۔ بہ عبارت دیگر سعادت واقعی تک پہنچانے میں ان کا کوئی حصہ نہیں۔

(۲) **عاقلانہ کام:** جن کے نتائج خوب و مفید ہیں اور کمال تک پہنچانے کا ذریعہ ہیں پہلی قسم کو لغو و باطل و بلا فائدہ کام کہا جاتا ہے اور دوسری قسم کے کام کا نام حکیمانہ و خردمندانہ کام ہے۔

پس انسان کے حکیمانہ کام کا مطلب ایسے امور جو کمال لائق تک ہمیں پہنچائیں تو خداوند عالم کے حکیمانہ افعال کیسے ہوں گے۔

کیا خدا کے کارہائے حکیمانہ کا مطلب وہ کام ہیں جو اس کو کمال لائق تک لے جائیں اور کارِ عبث سے وہ کام جو کمال تک نہ پہنچائیں۔ نہیں ہرگز نہیں۔

خدا غنی و بے نیاز ہے۔ جو کچھ وہ کرتا ہے وہ اس کی بخشش۔ جود و عطیہ ہے۔ وہ کسی کام کو اپنی احتیاج رفع کرنے یا اپنے کو کمال تک پہنچانے کے لیے نہیں کرتا۔

خدا کے کار ہائے حکیمانہ کا مطلب ایسے کام جو مخلوق کو کمال تک پہنچائیں۔ بلا فائدہ کام کو خدا کی طرف نسبت دینے کا مطلب یہ ہے کہ خدا مخلوق کو پیدا کرے لیکن ان کو کمال ممکن تک پہنچانے کا بندوبست نہ کرے۔ معلوم ہوا کہ حکمتِ خداوند اور انسان کے حکیم ہونے کا مطلب جدا جدا ہے، انسان کی حکمت و دانائی کا مطلب عقل مندی اور مسیر کمال انسانی کی طرف قدم اٹھانا اور حکمت خداوندی کا مطلب مخلوقات کو کمال لائق تک پہنچانا ہے۔ بہ عبارتِ دیگر حکمت خداوندی یعنی اشیاء کی ایسی خلقت جو انہیں غایت و کمال تک پہنچائے۔

جب حکمت انسانی ایسے کام کو انجام دینا ہے جو انسان کے کمالات تک پہنچنے کا ذریعہ بنے تو لازم نہیں کہ ایسے انسانی کام اور اس کے نتیجہ میں ربط واقعی پایا جائے۔ یعنی ضروری نہیں کہ کام طبعاً اس نتیجہ کی طرف لے جائے اور نتیجہ اس کام کا کمال شمار ہو جس چیز کی ضرورت ہے وہ یہ کہ نتیجہ کار انسان کے لیے نفع و کمال محسوب ہو سکے۔

مثلاً انسان مٹی۔ لکڑی۔ پتھر۔ دھات۔ چمڑا۔ ریشم و روئی سے کوئی چیز بناتا ہے۔ اور نتیجہ حکیمانہ حاصل کرتا ہے مثلاً کرسی بناتا یا گھر تیار کرتا یا موٹر کار بناتا یا جامہ فراہم کرتا ہے کرسی لکڑی کے لیے۔ گھر۔ پتھر۔ اینٹ۔ گچ و آہن کے لیے۔ موٹر کار دھات کے لیے کمال نہیں یہ مادے ان صورتوں و اشکال کی طرف حرکت نہیں کرتے لیکن وہ نتیجہ جو ان سے حاصل ہوتا ہے مثلاً کرسی پر بیٹھنا۔ گھر میں رہنا۔ موٹر کار سے حرکت کرنا اور جامہ پہننا انسان کے لیے ایک کمال و لا اقل ایک نفع شمار ہوتے ہیں۔

مگر خدا کے کام۔ اور وہ نتیجہ جو اس پر مرتب ہوتا ہے۔ میں ربط واقعی موجود ہے یعنی ہر کام کی غایت و نتیجہ اس کام کا کمال واقعی ہے۔ خداوند اپنی مخلوق کو (جو کار فعل خداوندی ہے) اس کے کمال کی طرف لے جاتا ہے۔ جو ہم دیکھ رہے ہیں وہ یہ ہے کہ ہر تخم و دانہ اپنی غایت

کمال کی طرف رواں دواں ہے۔

اب مسئلہ قابل توجہ یہ ہے کہ طبیعت و دنیا کا دوسرا نام۔ تبدیلی۔ دگرگونی و عدم ثبات ہے۔ یعنی ہر مقصود و غایت کی طبیعت خود اپنی جگہ پر غیر ثابت و تغیر پذیر ہے۔ بعبارۃ اخری۔ ہر شئی موقت و قابل انتہا ہے۔ طبیعت کے تمام مراحل۔ منزل ہیں۔ **ہر منزل کی خصوصیت** اس کا بین راہ ہونا ہے۔ کوئی بھی مقصد نہائی نہیں۔ یعنی **انتہاء مقصد نہیں**۔

یہی وجہ ہے کہ ایک گروہ نے خلقتِ عالم کو امر بے فائدہ ولغو قرار دیا ہے۔ ان کا کہنا ہے جہان ایک قافلہ کا نام ہے جو ہر وقت حرکت میں ہے۔ منزل تبدیل ہو رہی ہے۔ کبھی بھی مقصدِ واقعی حاصل نہیں ہوتا۔ ہر مقصد اپنی جگہ خود ایک منزل ہے کیونکہ طبیعت اس سے عبور کر کے اسے پسِ پشت چھوڑ رہی ہے بدیہی ہے کہ ایک حرکت۔ ایک سفر تب ہی واقعی کہلا سکتا ہے کہ مقصد واقعی کی انتظار ہو۔ اس کے حصول کی تڑپ ہو لیکن اگر مقصد کا مطلب ہی منزل ہو۔ چلنے کے مقدر میں پہنچنا ہی نہ لکھا ہو تو پھر اس سفر کو بیہودگی کے علاوہ کونسا نام دیا جا سکتا ہے اگر بنا یہی ہو کہ ہر ہستی کے بعد نیستی۔ ہر آبادی کے بعد بربادی اور ہر پہنچنے کا معنی جگہ خالی کرنا ہو۔ تو نظامِ جہاں پر عالم سوائے سرگردانی و حیرانی وغیرہ تکرار مکررات اور کوئی چیز نہیں پس ہستی بے مغز و بے نتیجہ ہے۔

قرآن جواب میں کہتا ہے کہ ہاں — اگر فقط طبیعت و دنیا ہوتی اور بس۔ اگر مخلوق کی پیدائش مرنے کے لیے۔ نشوونما و سرسبز و شادابی زرد خشک و پراگندہ ہونے کے لیے اور تمام جدید کہنہ ہونے کے لیے ہوتے تو پھر اشکال بجا تھا ——— مگر "ہستی" کے بارہ میں اس قسم کا نقطۂ نظرِ ناقص کا کرشمہ ہے۔ اس کا منشاء یہ خیال ہے کہ "ہستی ایک قالب محدود و طبیعت ایک امر محصور ہے"۔ لیکن حق یہ ہے کہ "ہستی" دنیا و طبیعت میں محدود و محصور نہیں۔ دنیا روزِ اول ہے۔ "روزِ اول" کے عقب میں "روزِ آخر" دنیا "جانا" ہے اور

آخرت "پہنچنا"

حضرت علی علیہ السلام کا فرمان :

الدنیا دار مجاز والاخرہ دار قرار ۔

دنیا گزرگاہ اور آخرت جائے قرار ہے ۔

آخرت دنیا کے ساتھ ہی معنی دے سکتی ہے آخرت ایسا مقصد ہے جو حرکت و شدت و جستجو سے ہی موجب معنی و مفہوم ہے ۔

اگر جہان آخرت (جو جہان دائمی ہے) نہ ہوتا تو جہان مرحلہ و منزل کا نام ہوتا کوئی ایسا مقصد نہ ہوتا جسے واقعاً مقصد کہا جا سکتا ہے ۔

گردش روزگار ایک قسم کی حیرت و سرگردانی کا نام ہوتا اور قرآن کی اصطلاح میں یہ خلقت و پیدائش عبث باطل اور لہو و لعب ہوتی ۔ لیکن انبیاء و مرسلین آئے کہ اس اشتباہ اساسی کے لیے رکاوٹ بنیں اور ہمیں ایسی حقیقت سے آگاہ کریں کہ جس کے نہ جاننے سے "ہستی" ہماری نظر میں بے مغز و بے معنی قرار پاتی ہے اور بے مغز خیال ہمارے ذہن میں راسخ ہو جاتا ہے ایسا رسوخ جس کی بدولت خود ہم بھی بے معنی و بے ہدف ہی ہوں گے ۔

عالم آخرت پر ایمان و اعتقاد کا اثر یہ بھی ہے کہ یہ ہمیں اپنے خیالات کے بے مغز بلکہ اپنے بے فائدہ ہونے سے نجات بخشتا ہے ۔

ہمیں اور ہمارے خیالات و تصورات اور ہماری "ہستی" کو معنی و واقعیت دیتا ہے ۔